نظم

اکبری اقبال

مصنفہ

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور

حسب فرمائش منشی انعام تاجر کتب لکھنؤ

ٹائیٹل شاہی پریس لکھنؤ میں چھپا

فروری ۱۹۲۳ء

قیمت ۳ر

اکبری اقبال

انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسوین سالانہ جلسے مین جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم - اے - پی - ایچ - ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور نے لسان العصر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آبادی کے رنگ مین بصدارت نواب ذوالفقار علی خان صاحب ذیل کی نظم پڑھی اور اس نظم کا عنوان مذاقاً "رگڑا" رکھا تھا۔

پریسیڈنٹ جلسہ جناب نواب ذوالفقار علی خان صاحب نے اپنی پرمعنی ابتدائی تقریر مین ڈاکٹر صاحب موصوف کو شکسپیر اور سعدی سے تشبیہ دیتے ہوے فرمایا کہ اگر یہی اقبال ولایت مین ہوتا تو اسکی قدر و منزلت شکسپیر سے بھی بڑھی ہوتی۔ مگر افسوس کہ ہمارے اہل ملک نے اس کی قابلیت سے کم آشنا ہین۔ اُسکی دنیوی زندگی کے بعد معلوم ہوگا کہ اقبال کیا چیز تھا"

ڈاکٹر صاحب اس مرتبہ بوجہ مصروف کاروبار (انجمن کیلئے) کوئی نظم پیشتر تیار نہ کرسکے لیکن اراکین انجمن کے بار بار اصرار سے

صرف دو تین دن پہلے جلدی میں اپنے چند خیالات کو منظوم کرنا شروع کیا۔ اس لیے آپ نے جلسہ میں نظم پڑھنے سے پہلے تمہیداً فرمایا کہ یہ چند "پکوڑے" ہیں جو پبلک کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرتا ہوں۔ بعض تازے اور بعض تو ان میں ۲۴ گھنٹہ کے تلے ہوئے ہیں، مگر بعد ان پکوڑوں کے ایک "ترلقمہ" بھی ہوگا۔

اس اکبری رنگ کے کلام کو قوم کے اکثر افراد نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور قبولیت کے کانوں سے سنا اور تحسین کی زبان کو حرکت دی۔

اِس نظم کے اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال اکبری رنگ کی جھلک دکھانے پر بھی کس قدر قادر ہیں۔ آپ کے اِس نئے رنگ پر حضرت خواجہ حسن نظامی نے ذیل کی تمہید تسطیر فرمائی اور خواجہ صاحب نے ہی اِس نظم کا عنوان **اکبری اقبال** موزون فرمایا۔

فضل الٰہی (مرغوب رقم)

تمہید

از قلم

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

یامُعین ۷۸۶ ھُوَالکُلُّ

لاہور مین سیالکوٹ کے رہنے والے ایک آدمی رہتے ہین جن کا نام محمد اقبال ہے۔ اور ڈاکٹر ہے۔ اور بیرسٹر ہے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی ہے۔ وہ شعر گاتے ہین اور شعر بجاتے ہین۔ اور موقع پاتے ہین تو شعر پیدا بھی کر لیتے ہین۔

مین نے اُن کو آدمی اس ڈر سے کہا کہ جو لوگ آدمیت کی عینک لگائے ہوے ہین اور اقبال

اُن کو آدمی ہی نظر آتے ہیں کہیں وہ مجھ سے ثبوت نہ مانگ بیٹھیں۔ ورنہ میں اقبال کو پیکرِ خاک نہیں سمجھتا۔ اور اُن کے پُتلے کو آدم زاد نہیں جانتا ممکن ہے کہ وہ بشر ہوں۔ مگر اُن کی بشریت فقط اُن کی بیوی بچوں، یا اُن کے لئے مبارک ہو جو اُن کو گوراچٹا مونچھوں والا عقلمند پروفیسر و بیرسٹر کہتے ہیں۔

میں نے پروفیسر اقبال کو بھی دیکھا ہے اور ڈاکٹر اقبال کو بھی۔ سیالکوٹی اقبال کو بھی اور لاہوری اقبال کو بھی۔ یورپین اقبال کو بھی دیکھا ہے اور لندنی اقبالی کو بھی۔ مگر کبھی آدمی نہیں پایا۔ وہ ازل سے حیوان ہیں اور حیاتِ ابدی کے نشان ہیں ہندستان

کے آدمی حیوان کے لفظ کو مکروہ جانتے ہین مگر مین اس لفظ مین وہ جان پاتا ہون جو ہند کے کسی انسا مین نہین۔

برسات مین مکھیان اور پروانے دونون پیدا ہوتے اور دونون جاندار کہلاتے ہین۔ مگر ایک آدمی کو ستاتا ہے۔ اور اس بیحیا کا نام پاتا ہے اور دوسرا شمع کے رُخ پر قربان ہو جاتا ہے اور عبرت ڈھونڈھنے والون کو صبح کے وقت اپنی لاش دکھا کر رُلاتا ہے۔

اقبال بھی ایک پروانہ ہے جو اُن دیکھی شمع کا دیوانہ ہے مکھیان اسکے اشعار کو مٹھاس سمجھکر چاٹتی ہین اور پروانے شعلہ سمجھکر قربان ہونے آتے ہین۔

اقبال ہمیشہ آسمان پر اُڑتے ہین مین پر کبھی آنا

ہوتا ہی، تو اُس زمین مین جو آسمان سے زیادہ دور ہوتی ہی
اِسلئے وہ لوگ جن کے پاس ہوائی جہاز نہین ہین یہ کہتے
رہ جاتے ہین کہ اقبال کہان ہین ؟ ہم اُن تک کیونکر پہونچین ؟
ایک دن بھری سبھا کے اندر اقبال زمین پر آگئے اور چند
جملے اُن کی زبان مین سُنائے جو زمانہ کی زبان کہلاتے ہین
جن کا نام اکبر ہے۔ جو الہ آباد مین بیٹھکر اللہ کی آبادیان بساتے
ہین۔ اکبر کے ہم زبان ہوکر بولنا آسان بات نہین ہی
اکثر اشاراتِ ربّانی کے حامل ہین۔ اکبر کو گویا کرنے والا
پہلے آنکھ سے دکھاتا ہے پھر قلم سے لکھواتا ہے۔ اکبر کی
ہر بات زمین آسمان کو ایک کر دیتی ہے۔ ہر قول وہ وجود
لیکر آتا ہے جسکو انگریزی مین کیرکٹر کہتے ہین اکبر نے اس
دھوپ مین بال سفید کیے ہین جسنے اسلامی سلطنت کا باغ حساب کر دیا

اقبال نے اکبری زبان مین جو کچھ کہا وہ اکبری اقبال ہے
خلقت اُسکو دیکھتی ہو کہ اقبال نے کس حد تک اکبری
روش کو نباہا ہو۔ اور اکبر کیطرح کیونکر تنگ قافیون کو کشادہ کیا ہو
مگر دیکھنا یہ تھا کہ زمانہ اکبر کی زبان مین بولتے بولتے اب اقبال
کی باتین بھی آیا ہو خدا خیر کرے دیکھے اِن حروف کے پردہ کیا نکلنے والا ہے
ہندوستان کی بیقراری مین کام کی باتین درکار ہین
جن مین نتایج ہون۔ اور چلنے کے لئے راستہ ہو عبرت کے
لیے دل خوش کن آگاہی و تنبیہ ہو۔ اکبر و اقبال کا ابتدا سے
یہی شیوہ رہا ہو۔ مگر اقبال نے اور طریق سے کہا اور اکبر نے
اور پیرایہ سے۔ اِس نظم مین جو منشی مرغوب رقم صاحب کے
ذریعہ شایع ہوتی ہے اقبال نے اکبری نقش قدم پر پاؤن
اُٹھایا ہو۔ اور حق یہ ہو کہ مضبوطی سے ہر نشان پر پاؤن جمایا ہو۔

مجھ سے کہتے ہین کہ مین اِس نظم پر وہ لکھون جسکو لوگ ریویو کہتے ہین۔ مگر مین پوچھتا ہون کہ بہتے ہوے دریا کی روانی کو اسکی کیا ضرورت ہو کہ دوسرا اسکے تیز بہاؤ کی حقیقت پر لکچر دے۔ موجین مارنے والا سمندر جب خود نظر آتا ہے تو کسی کا یہ کہنا کہ کشتیان چکرائین گی سواریون کو چکر آئینگے، بادل اُٹھین گے، اور زمین پر مینھ برسائین گے، فضول ہے۔ جاننے والے خود جانتے ہین کہ یہ طوفان کسی موسم کی خبر دیا کرتا ہے۔ اسواسطے مین اِس نظم کے متعلق کچھ کہنا نہین چاہتا۔ اسقدر کہنا ہی اسکی اعلےٰ شان کی دلیل ہو۔

حسن نظامی

نظم

مشرق مین اصول دین بنجاتے ہین
مغرب مین مگر مشین بنجاتے ہین

رہتا نہین ایک بھی ہمارے پلے
وان ایک کے تین تین بنجاتے ہین

لڑکیان پڑھ رہی ہین انگریزی
ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ

روشِ مغربی ہے مدِّنظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہین گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہین
مُفت مین کالج کے لڑکے اُن سے بدظن ہوگئے
وعظ مین فرمایا کل آپ نے یہ صاف صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہوگئے"

یہ کوئی دن کی بات ہے۔ اے مردِ ہوشمند!
غیرت نہ تجھ مین ہوگی۔ نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور۔ کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

انسان ہوے مہذب۔ لیکن مزا تو جب ہے
جنگل مین کہہ رہی تھی ہاتھی سے کل یہ ہتنی۔
" تقریر کو کھڑی ہو۔ کلّو میاں کی بیوی
بردھان ہو سبھا مین بنسی کی دھرم پتنی "

ہر محکمے مین عہدے تقسیم ہون برابر　　ہوتی نہین ہے ہمکو جنگ و جدل آخری
خفیہ پولس مین جب سے حد ہوگئی ہے قائم　　ہندو ہین ہیڈ افسر مسلم ہین آنریری

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفرین
پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج مین مار ڈینگ
بستے ہین ہند مین جو خریدار ہی فقط
آغا بھی لے کے آتے ہین اپنے وطن سے ہینگ

میرا یہ حال - بوٹ کی ٹو چاٹتا ہون مین
اُن کا یہ حکم دیکھ ! میرے فرش پر رینگ
کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھدا سا جانور
اچھی ہے گاے ۔ رکھتی ہی کیا نوکدار سینگ

کہی اچھی نقیب انجمن نے | وہ سمجھے گا اِسے جو کار دان ہے
خدا واحد ہی دو ناظم ہین اپنے | دو عملے مین ہمارا آشیان ہے

دستور تھا کہ ہوتا تھا پہلے زمانہ مین
ملا کا محتسب کا۔ خدا کا۔ نبی کا ڈر
دو خوف رہگئے ہین ہمارے زمانہ مین
مضمون نگار بیوی کا سی آئی ڈی کا ڈر

کچھ غم نہین جو حضرت واعظ ہین تنگدست
تہذیب کے تو سامنے سر اپنا خم کرین
ردِ جہاد مین تو بہت کچھ لکھا لیا
تردید حج مین کوئی رسالہ رقم کرین

وفاداران سہ قسم اند۔ ار بدانی!
زبانی اند و نانی اند و جانی
زبانی را ز منصب عزتے دہ
زمینے بر سرِ نہر بنانی
اگر باغی بخواند دیگران را
بیاید ز آستان اورا برانی
دگر ذوق ملاقاتِ تو دارد
جوابش دہ بلفظِ لنترانی
وفادارانِ جانی را بدست آر
اگر خواہی ز جانی جان ستانی

جناب شیخ کو بلواؤ خاص لندن کی
عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کیلئے

ہمارے حق میں تو جینا برا ہی مرنے سے
جو زندہ ہیں وہ فقط آپکی خوشی کیلئے

ہوا میں جینے سے بیزار جب تو فرمایا
کہاں ہے لاؤ گے بندوق خودکشی کیلئے

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ،
دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجئے!
تھے وہ بھی دن کہ خدمت اُستاد کے عوض
دل چاہتا تھا، ہدیۂ دل پیش کیجئے،
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بِل پیش کیجئے"!

انتہا بھی اسکی ہے آخر خریدین کب تلک
چھتریان، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئینگے غسّال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینون کا دل مغرب مین جا اٹکا ہے
وان کنٹر سب بلّوری ہین یان ایک پرانا مٹکا ہے
اِس دور مین سب مٹ جائینگے، ہان! باقی وہ رہ جائیگا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکّا اپنی ہٹ کا ہے
اے شیخ و برہمن! سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہین
گردون نے کتنی بلندی سے اِن قومون کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے، دستورِ محبت قائم تھا،
یا بحث مین اُردو ہندی ہے، یا قربانی یا جھٹکا ہے

ترجمہ

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تو نے ؟
وہ کیا گردون تھا؟ تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا!
تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت مین،
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤن سے تاجِ سرِ دارا!
تمدن آفرین، خلاق آئین جہانداری،
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانون کا گہوارہ
سمانِ الفقر فخری کا رہا شانِ امارت مین
بہ آب و رنگ، خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
غرض مین کیا کہون تجھ سے! کہ وہ صحرانشین کیا تھے
جہانگیر و جہان دار و جہان بان و جہان آرا،

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی،
کہ تو گفتار، وہ رفتار، تو ثابت، وہ سیارا،
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا،
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مُسلّم سے کوئی چارا،
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی،
جو دیکھو ان کو یورپ مین تو دل ہوتا ہو سیپارہ
غنی! روزِ سیاہِ پیرِ کنعان را تماشا کُن، !
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را،

اقبال